سیّد ازور عباس ❁
ڈاکٹر مطاہر شاہ ❁❁

تاریخ، تاریخیت اور نو تاریخیت: بنیادی تعقّلات

History, Historicism and New Historicism: Basic Concepts

By *Syed Azwar Abbas, Lecturer, Department of Urdu, Hazara University, Mansehra.*
Dr. Mutahir Shah, Asst. Prof., Department of Urdu, Hazara University, Mansehra

ABSTRACT

In this article History, Historicism and new Historicism have been explained in a simplified way. Attention has been focused on the nature, problems, and results of their application. In the process of application, however examples and instances have been given from Urdu literature. It has also been observed which of the Urdu critics have understood the history, historicism of and neo-historicism and have expressed their views in this particular subject.The discussion on the work of these critics has revealed their approaches.It has also been observed from what angle the English critics of Neo-historicism have looked at its Marxist aspect of Progressive Criticism and Neo-Historicism.The article also tries to explain the nature and difference of history, in literature and history and also introduces the means by which neo-historicism decodes historical narratives while considering history and literary history as text. This way necessary to make the English critical theory popular in Urdu. While doing this, the views of both Urdu and English critics have been taken into account.

Keywords: History, Histtoricism, New Historicism, Discourse, Modernism, Post Modernism.

❁ لیکچرر، شعبۂ اردو، ہزارہ یونی ورسٹی، مانسہرہ۔
❁❁ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، ہزارہ یونی ورسٹی، مانسہرہ۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

وقت کے ساتھ تاریخ سے وابستہ تصورات میں تبدیلی رونما ہوتی رہی ہے کبھی اِسے ماضی کے حالات و واقعات، اعداد وشمار اور محض طبقات کی درجہ بندی سمجھا گیا تو کبھی کسی خاص دور کے آغاز وارتقا کو تسلسل کے ساتھ احاطۂ تحریر میں لانے کا نام تاریخ طے پایا۔ بعدازاں جب جدیدیت کے زیرِ اثر انسانی اور سماجی علوم کے دامن وسیع ہوئے تو اُن کے ہمراہ تاریخ کو بھی وسیع تناظر میں دیکھا جانے لگا جس سے عمرانی، مذہبی، نفسیاتی، بشریاتی اور ادبی نوع کی بیشتر تواریخ منظرِ عام پر آئیں۔

حقیقت میں ہر گزرتا ہوا لمحہ تاریخ کی غذا ہے اور کوئی بھی مؤرّخ جس پل تاریخ لکھ رہا ہوتا ہے، اُس لمحے وہ اپنے متعلقہ دائرے کی تمام تر لمحاتی تاریخ کو کبھی ضابطۂ تحریر میں نہیں لا سکتا جس سے تاریخ اور بیانِ تاریخ میں ایک واضح فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ تاریخ سے مراد وہ تمام وقت جو ماضی کا حصہ ہے اور بیانِ تاریخ اُس زمانے کا یادداشتی اور اِنتخابی اظہار ہے۔ تاریخ اور بیانِ تاریخ کے اِمتیاز سے یہ ٹھوس حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ تاریخ کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو کبھی ایک موضوع پر ایک تاریخ لکھے جانے کے بعد دوسری تاریخ کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ بیانِ تاریخ کے متنوع اظہارات پر ڈاکٹر مبارک علی کی رائے ہے:

> تاریخ کے مضمون سے لاپروائی میں اِس غلط فہمی کو بڑا دخل ہے کہ جس کے ذریعے یہ سمجھا جاتا ہے کہ تاریخ تبدیل نہیں ہوتی۔ ایک واقعہ جو ماضی میں ہو جاتا ہے وہ اِسی طرح رہتا ہے اِس لیے تاریخ بھی منجمد رہتی ہے اور ایک بار جو تاریخ کی کتاب لکھ دی گئی اُس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ واقعہ تو وہی رہتا ہے مگر اُس واقعہ پر نیا مواد ملنے پر اُس کی ہیئت اور شکل بدل جاتی ہے۔(۱)

تاریخ کے باب میں ایک تصور یہ بھی زیرِ بحث رہا ہے کہ آیا تاریخ سائنسی ہے یا موضوعی۔ تاریخ کو نہ تو قطعی سائنسی کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی موضوعی۔ آنکھوں دیکھے مستند حقائق: اشیا کی لمبائی، چوڑائی، تاریخِ پیدائش، یومِ وفات اور شہروں کے حدودِ اربعہ وغیرہ تو معروضی طرز میں قلم بند کیے جا سکتے ہیں لیکن تاریخ صرف جمع اور ضرب کے عمل سے ہی عبارت نہیں۔ اِنسانی طرزِ معاشرت اپنے مذہب، کلچر، ذات، علاقے اور حکومتی ادارے کے لحاظ سے ایک دوسری تہذیب سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ نیز اِنسانی اَقدار اور جذبات و احساسات بھی وقت اور موقع کی مناسبت سے بدلتے رہتے ہیں۔ تبھی تاریخ کے مکمل سائنسی اُصول وضع نہیں کیے جا سکتے۔ تاریخ کے محدود اور روایتی تصور پر اِعتراض کرتے ہوئے ڈاکٹر ناصر عباس نیّر لکھتے ہیں:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> جب تاریخ کو شخص، طبقے یا نسل کی بنیاد پر سمجھا اور لکھا جاتا ہے تو ہیرو، سورما، طبقاتی عظمت و غرور، نسلی تفاخر کی کہانی وجود میں آجاتی ہے؛ تاریخ کا ہشت پہلو مظہر نظر انداز ہو جاتا ہے، حالاں کہ یہی مظہر شخص کو ہیرو، طبقے کو عظمت اور نسل کو تفاخر سے ہم کنار کرتا ہے۔ اس مظہر سے باہر اور الگ محکومیت اور اِستحصال اور ان کے طبعی، نفسیاتی اور آئیڈیالوجیکل صورتوں کا بھی وجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ کی کوئی ایسی ریاضیاتی ساخت نہیں ہوتی جسے پوری انسانی تاریخ میں دریافت کر سکیں اور اس میں کارفرما دیکھ سکیں۔[۲]

تاریخ کے موضوعی اور غیر سائنسی ہونے پر ولہم ڈلتھے (Wilheim Dilthey) نے خاصے منطقی انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اُس کے نزدیک انسان اور مادہ دو مختلف اشیا ہیں۔ مادہ دل و دماغ سے عاری جامد شے ہے لیکن انسان دل و دماغ اور جذبات کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ مسلسل ارتقا کے عمل سے گزرتا رہتا ہے؛ اِس لیے مادے کی طرح انسانی زندگی کے ٹھوس اُصول مقرر نہیں کیے جا سکتے۔ علاوہ ازیں طبعی دنیا میں آفاقیت اور علت و معلول کا عمل دخل ہوتا ہے۔ جبکہ انسانی زندگی تغیر اور اضافت سے منسلک ہے۔ جس کے پیشِ نظر کسی عہد کی تاریخ کو سائنسی پیمانوں پر نہیں پرکھا جا سکتا۔[۳] ولہم ڈلتھے کے علاوہ تاریخ کے مذکورہ تصور پر جرمن مفکرین نے بھی اہم نقطے اُٹھائے ہیں۔ تاریخ کے مزید مباحث آئندہ سطور میں تاریخیت اور نو تاریخیت کی ذیل میں پیش کیے جائیں گے۔

تاریخیت سے مراد کسی فن پارے کو اُس کے زمانۂ تخلیق اور تاریخی تناظر میں جانچنا ہے۔ جس سے واضح طور پر یہ تاثر اُبھرتا ہے کہ ادب کی تفہیم تاریخ کے بغیر ادھوری ہے کیوں کہ تاریخیت میں تاریخ مرکز آشنا ہونے کے ساتھ ادب اور تاریخ کے سیدھے سادھے تعلق کی داعی ہے۔ تبھی تاریخیت کے تحت ادب کا مطالعہ خارجی واقعہ کے ساتھ کسی منطقی ربط کی تلاش میں کیا جاتا ہے۔ تاریخیت کا حاوی تناظر مارکسی ناقدین کے باعث زیادہ تر معاشی رہا ہے۔ تاریخیت کے مرکز جُو رجحان اور معاشی تناظر کی وجہ جدیدیت کے مظہر روسی ہیئت پسندی کے خلاف روائتی طرزِ فکر پر چلنا ہے۔ جس کی کُلی معرفت تاریخیت کے پس منظری مطالعے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

جدیدیت کے طلوع ہونے کے ساتھ اور نئی تنقید سے قبل جب فرد کی خود مختاری کا اِعلان کیا گیا تو یہ شخصی آزادی رومانیت کی پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ تاہم اِیسی صورتِ حال میں رومانیت کے ساتھ ایک ایسا رویہ بھی قدم بہ قدم چل رہا تھا جس نے تاریخی پس منظر کو خاصی اہمیت دی ہوئی تھی۔ مثلاً جانداروں کا حیاتیاتی مطالعہ اور فلالوجی کے تحت زبان کی ارتقائی کھوج۔ اِیسے دور میں سانت بیو اور طین نے ۱۸ویں صدی کی رومانیت کے خلاف فن

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

پارے کو تاریخی اور سماجی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔ جس سے تاریخیت کا فکری تعارف سامنے آیا۔(۴)

تاریخی پس منظر اور مارکسی تناظر کا آپسی تعلق رومانیت اور روسی ہیئت پسندی کے ردِعمل سے مستحکم ہوا۔ تاریخیت نے رومانیت کے خلاف فن پارے کی تفہیم کے لیے سماجی تناظر کی طرف سفر کیا۔ جبکہ مارکسیت نے جدیدیت کے مخالف سماج اور ادب کے کُلی نظام کو معیشت کے تابع رکھ کر جانچا۔ ہیئت پسندی کے نجی تشخص کو روس کے مرکزی نظامِ فکر نے حاوی ہونے کی وجہ سے خاصا متزلزل کیا۔ کیوں کہ روس میں اِنقلاب کے بعد حکومتی سطح پر مارکسیت اور سوشلزم کے زیرِ اثر ایسا ادبی لائحۂ عمل بنایا گیا جس سے ہٹ کر چلنے والے ادیبوں پر قدغن لگائی گئی تھی۔ سو ہیئت پسندوں نے مارکسیوں اور مارکسیوں نے ہیئت پسندوں کے مقابل خاصی آواز بلند رکھی۔ اِس تمام بیان سے صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ تاریخیت اور مارکسیت جدیدیت کے کسی نہ کسی مظہر کا ردِعمل تھیں۔ تبھی یہ دونوں تصور ادبی مطالعے کے لیے سماجی اور تاریخی تناظر کو اہم گردانتے ہیں۔ بعد ازاں مارکسی افکار سے غذا حاصل کر کے ترقی پسند تنقید نے بھی یہی کیا۔ تاریخیت اور مارکسیت کا طریقہ کار یکساں ہونے کے باوجود غالب رجحان کا فرق رکھتا ہے۔ جو یہ ہے کہ تاریخیت کا تناظر کسی بھی نوع کا ہو سکتا ہے جبکہ مارکسیت کا صرف اور صرف معاشی۔ مارکسیت کے ناقدین میں ٹیری ایگلٹن کا نام خاصا اہم ہے جس نے متن کو آئیڈیالوجی اور آئیڈیالوجی کو تاریخ پر ترجیح دی لیکن اُس نے یہ اعتراف بھی کیا کہ متن میں موجود تاریخ معروضی نہیں ہوتی بلکہ یہ ثقافتی کوڈز کی مدد سے معنی کی ترسیل کرتی ہے۔ یعنی ٹیری ایگلٹن متن کے لیے تناظر کی شرط کو ماننے کے باوجود متن کی ذیلی خود مختاری کا قائل بھی ہے۔ مجموعی طور پر تاریخیت کا جدلیاتی ڈھانچہ ہر لحاظ سے تاریخی عمل کا مرہون ہے لیکن اِس سے بعض اوقات جو نقائص پیدا ہوتے ہیں اُن کی نشان دہی ڈاکٹر ناصر عباس نیّر نے اِن الفاظ میں کی ہے:

> مارکسی تنقید جدلیاتی اصول کی قید کی وجہ سے زندگی کے دیگر پہلوؤں کو سماجی تناظر سے منسلک کرتی ہے اور جہاں ایسا ممکن نہ ہو وہاں اپنی کلّیت پسندی کی وجہ سے یہ ان پہلوؤں کو تصوری، نفسیاتی عارضے اور لایعنی مسائل قرار دے کر مسترد کر ڈالتی ہے۔ انسانی حقیقت کا عارف نقاد، اس مارکسی روّیے پر مسکرا کے رہ جاتا ہے۔(۵)

ساخت کے لحاظ سے تاریخیت کا ایک پس منظری خفیف سا رشتہ ساختیاتی تنقید سے بھی بنتا ہے۔ کیوں کہ ساختیاتی تنقید نے زبان کو ثقافتی دھارے میں دیکھ کر فرد پر زبان کی حکمرانی قائم کی۔ جبکہ قاری اساس تنقید نے قاری کو اُس کا کھویا ہوا مقام واپس دلایا؛ مگر اِس بخشے گئے مرتبے کے باعث قاری کے تصورات سے متن کی ایسی موضوعی فضا پیدا ہوئی جس نے مصنف اور تناظر کو پیچھے چھوڑ دیا۔ قاری اساس تنقید کے ناقدین میں سے ایک نقاد

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہنس رابرٹ جاس نے متن کی جمالیات اور قاری کے تاثراتی تسلسل کو مدغم کر کے ہیئت پسندی اور مارکسی تنقید سے ایسی الگ راہ بنائی جو فن پارے کی ذاتی قدر کا اعتراف کرنے کے ساتھ ادبی تاریخ کو تاریخیت سے قریب کرتی گئی؛ لیکن یہ ادبی تاریخ عمومی تاریخ سے خاصی مختلف ہے جو کسی قسم کے غیر ادبی تناظر کی متحمل نہیں؛ تبھی اِس کا ذاتی وجود غیر منطقی ہونے کے باعث خاطر خواہ مقبولیت نہ پا سکا مگر اِسے تاریخیت کا ایک امتزاجی اور انفرادی روپ کہا جا سکتا ہے۔

تاریخیت کا فکری اِستدلال یہ ہے کہ ہر دور میں ایک خاص اور اِنفرادی نوعیت کے فکری رویے پنپتے ہیں۔ جو لامحالہ طور پر اُس دور کے لکھے گئے ادب میں منعکس ہوتے رہتے ہیں؛ نیز یہ تصورات اِنسانی منطق کے بدلتے ہی اپنی اشکال تبدیل کر لیتے ہیں۔ مثلاً آج متھ، پری اور دیو حقیقت معلوم نہیں ہوتے لیکن کسی دور کے باشندوں کے لیے یہ حقیقت رہے ہیں؛ آج جس طرح مسلمانوں کے لیے ہندوؤں کے ہنومان اور کرشن فرضی ہیں بالکل اُسی طرح مسلمانوں کا مابعد الطبیعاتی سلسلہ بھی ہندوؤں کے لیے ماورائی ہو سکتا ہے۔ یعنی محفوظ تاریخ کے علاوہ غیر محفوظ اور اپنے اپنے زاویے کے مطابق فرضی تاریخ بھی ادب کا حصہ بنتی ہے۔ جسے جانے اور سمجھے بغیر ادب کو پرکھا نہیں جا سکتا۔ اِس طرح کے اور بھی کئی جواز ادب کے تاریخی مطالعے کی موافقت میں آتے ہیں۔ بادشاہی نظام میں ادب کا موضوعاتی مرکز بادشاہ، شہزادہ اور ملکہ ہی رہے۔ صنعتی اِنقلاب کے بعد جب جمہوری رویے پروان چڑھے تو ادب میں عام سے عام طبقے کے کردار بھی داخل ہوئے۔ نوآبادیاتی دور میں کس طرح کی حکمتِ عملیاں اور ڈسکورس وضع ہوئے۔ کیسے نظامِ تعلیم میں اصلاحات کر کے اپنے مطیع و فرمانبردار پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ کون سی کتب جلائی گئیں اور کن لکھاریوں کی نگارشات کو انعامات سے نوازا گیا۔ نیز کن صاحبان نے استعماری ردِعمل کے طور پر لکھا؛ یہ سب صورتِ حال ادب پر بہت اثر انداز ہوئی۔ ایسے بے شمار مظاہرات ادب کے سماجی اور تاریخی مطالعے کی اہمیت اُجاگر کرتے ہیں؛ جنھیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخیت کسی ادبی فن پارے کو اُس کے وقتِ تحریر اور تاریخی منظر نامے کے تحت دیکھنے کی پیامبر ہے؛ اگر کسی متن کا براہِ راست موضوعاتی سطح پر کوئی تاریخی پس منظر نہیں ملتا یا اُس فن پارے کی مبہم، علامتی یا اِیمائی صورتِ حال اِمکانی مفاہیم کی طرف بھی توجہ منعطف نہ کروائے تو اِس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ وہ تخلیق تاریخیت کے زاویے سے قابلِ قرات نہیں رہی۔ ایسے موقع پر فن پارے کی زبان کو تاریخی لسانیات کے حوالے سے دیکھا جائے گا۔ کیوں کہ الفاظ کے معنی معروضی نہیں ہوتے؛ یہ وقت کے ساتھ اپنے مقررہ معنوں سے اِنحراف کرتے رہتے ہیں۔ مذکورہ صورت میں زبان کے معنیاتی سلسلے کو اُس دور کے طے کردہ مفاہیم کے تحت دیکھ کر متن کا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مطالعہ بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔تاریخیت اِس طرزِ عمل کی موافقت میں پروفیسر اشرف کمال کی رائے ہے:

> تاریخیت کے حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ کسی بھی دور کے ادب کو سمجھنے کے لیے اُس دور کی تہذیبی و ثقافتی اقدار اور رسم و رواج کو سمجھنا اور مختلف ادوار کے تناظر میں ادب کا مطالعہ اور تجزیہ کرنا ضروری ہے۔ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو کہ اب متروک ہو چکے ہیں۔ یا جن کے معنی سیاق وسباق کے حوالے سے وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ تاریخیت کے تناظر میں ادب کا مطالعہ اِن مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔(۶)

کسی زبان کی کہاوتیں،ضرب الامثال اور تلمیحات مفاہیم کے لحاظ سے معروضی صورت کی حامل ہوتی ہیں۔جن کے پیچھے ایک پورا تہذیبی،فکری اور لسانی سفر ہوتا ہے۔لہٰذا اِنہیں جانے اور سمجھے بغیر بھی ادب کی معرفت حاصل نہیں کی جا سکتی؛اِس لیے جب ہم ادب کو تاریخی صورتِ حال سے علیحدہ کر کے دیکھیں گے۔ یا نئی تنقید اور روسی ہیئت پسندی کے تحت صرف ہیئت پر توجہ دیں گے یا قاری کو معنی متعین کرنے کی کامل آزادی دیں گے تو اِیسی حالت میں فن پارے کی وہ حتمی ساخت جو متن کو صاف سمجھانے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے گنجلک بن کر ادب کی معنیاتی ترسیل کو نہ سلجھنے والی ڈور بنا دے گی۔ ادب کے تاریخی مطالعے کی حمایت میں گوپی چند نارنگ کی رائے ہے:''ادب تاریخ کا زائیدہ ہے ادب کا وہی مطالعہ صحیح اور مناسب ہے جو تاریخی اور سماجی تناظر کے ساتھ کیا جائے۔''(۷)

زبان کے حقیقی اور مرادی معنوں کی درست نشان دہی سے ادب کی سوجھ بوجھ مشکل نہیں رہتی لیکن یہاں یہ اختلافی پہلو سامنے آتا ہے کہ اگر ماضی قریب کا ادب ماضی بعید کی اکہری علامتوں کو تجرباتی سطح پر متنوع معنوں میں استعمال کرتا ہے اور یہ برتاؤ بالکل نیا اور واحد تجربہ ہوتا ہے۔تو اُس وقت جب تاریخیت ماضی قریب کے ادب کو ماضی بعید کی علامتوں سے جانچے گی تو یہ ادب پارے کی درست قرات کیسے ہوگی؟ یا تاریخیت ہر دور میں زبان کے اجتماعی ماحول کو دیکھتی ہے؟ ایسی صورت میں تو تخلیق کار کی انفرادی لفظیات جو اُس کی شناخت بن سکتی ہیں مجروح ہو کے رہ جائیں گی۔علامتی افسانے میں بھی عموماً ماضی بعید کی علامتوں سے ماضی قریب کی صورتِ حال بیان کی جاتی ہے۔اگرچہ یہ کہانی عصری منظر نامے کے متعلق ہوتی ہے لیکن اُس کی زبان اور علامتیں تو بعید کی ہوتی ہیں؛تب کیا تاریخیت کے عمل سے اُن ماضی بعید کی علامتوں کا حالیہ مفہوم مراد لیا جاتا ہے؟؛اگر موجودہ مطالب مقصود ہیں تو زبان کا تاریخی تناظر تو مفقود ہو گیا اور اگر اِس دوران موضوع حاوی حیثیت اختیار کر گیا تو کیا زبان اور موضوع میں سے ایک کا یک رخا عمل قابلِ قبول ہوگا؟ مزید برآں علامتیں ایک سے زیادہ معنوں کی مالک بھی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہوتی ہیں نیز نجی اور اجتماعی بھی۔ایسی صورت میں تاریخیت کیا کرے گی؟

ادب کو تاریخی ماحول میں دیکھنے سے یہ تاثر اُبھرتا ہے کہ اِس سے صرف ادب کا عصری مطالعہ ہی درکار ہے۔جس سے ادب کی تفہیم صرف اکہری تشریح وتعبیر رکھتی ہے؛لیکن یہاں یہ بات بھی سمجھنے کے لائق ہے کہ تاریخ سے مراد صرف سیاسی واقعہ نہیں۔آج تو سائنسی علوم کی مدد سے تاریخی پینترے کو مارکسی،عمرانی اور نفسیاتی کسی تناظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔سو تاریخی تناظر میں جب بھی کوئی قاری ادب پارے کو دیکھے گا تو اُس کے نزدیک تاریخ کا ایک اپنا پس منظر ہوگا۔وہ اُسی کے مطابق فن پارے کو جانچے گا۔اگرچہ اُس کا اِنفرادی تناظر ادب کی یک رخی تفہیم وتشریح کرے گا جبکہ مختلف قارئین کے تناظر ایک ہی فن پارے کی کتنی تعبیرات کریں گے؛اِس کا اندازہ تو یہ سرگرمی کروا کے ہی لگایا جا سکتا ہے؛نیز ایک ہی قاری مختلف زاویے اپنا کر بھی کثیر تعبیرات کر سکتا ہے۔

تاریخ کے حوالے سے یہ رائے بھی دیکھنے میں ملتی ہے کہ یہ صرف حکمران طبقے کی طرف سے تلوار کے بل بوتے پر لکھوائی جاتی ہے۔تبھی زیادہ تر تواریخ میں جانبداری کے واضح عناصر ملتے ہیں۔مگر اِس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ ہر تاریخ ہی جانبداری کا مجموعہ ہوتی ہے۔ادبی متون میں برتی جانے والے تاریخ عام تاریخ سے زیادہ موثر اور کافی حد تک غیر جانبدار ہوتی ہے۔تاریخ کی صحت جاننے کے لیے ادبی فن پارے کے تاریخی تناظر سے جانبداری پر مبنی تاریخ کی نشان دہی بھی کی جا سکتی ہے اور اگر ادبی متن میں کہیں نظریاتی سطح پر جانبداری در آئی ہے تو دونوں طرح کے بیانات کو سامنے رکھ کر تاریخی اور تنقیدی شعور کی مدد سے بھی درست نتائج مرتب کیے جا سکتے ہیں۔تقسیم اور اُس کے بعد کے سیاسی حالات پر لکھی گئی تواریخ کی اصلی صورتِ حال کو اِس منظر نامے پر لکھے گئے ادب کے ذریعے توانا صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔لیکن اِس عمل کے دوران ہمیں ادب کو تاریخ کا زائیدہ قرار دینے کے بجائے دونوں کو مساوی آنکھ سے دیکھنے پڑے گا؛جو تاریخیت کی تھیوری کے منافی ہے۔تاریخیت ہر صورت میں ادب پر تاریخ کو ترجیح دیتی ہے۔

تاریخیت کی تنقیدی تھیوری کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ یہ کسی ادب پارے کی معیار بندی اُس کے زمانہء تخلیق کے تنقیدی معیارات کے مطابق کرتی ہے؛جس سے فن پارے کی ادبی قدر ومنزلت وہی متعین ہوتی ہے جس کا وہ حق دار ہوتا ہے۔مثلاً آج اُردُو ناول جس منزل پر پہنچ چکا ہے اُس کے تنقیدی زاویوں سے اگر پہلے اُردُو ناول مراۃ العروس کی محاکمہ سازی کی جائے تو وہ ناول کی ذیل سے ہی خارج ہو جائے گا۔تاریخیت میں تعینِ قدر کا یہ تصور ڈاکٹر جانسن کے تنقیدی اِشارات سے ماخوذ ہے۔دیکھا جائے تو یہ اُصول بھی عمومی نوعیت کا ہے کیوں کہ کچھ ایسی اِستثنائی مثالیں (ادب پارے) بھی دستیاب ہیں؛جن پر اُن کے زمانہء تخلیق کے تنقیدی طریقے پورے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نہیں اُترتے اور نہ ہی اُن کے ذریعے وہ کوئی اعلیٰ فن پارے تصور کیے جاتے ہیں۔ایسے شہ پاروں پر بعد ازاں کے تنقیدی اُصول بہتر انداز میں لاگو ہوکر متن اور قلم کار دونوں کے مقام کو مقرر کر پائے ہیں سرِ دست جیسے غالب اور نظیر اکبر آبادی کا کلام۔

اُردو ادب میں ایسی اصناف بھی شامل ہیں جو اپنے خطے کی تاریخ کو الگ الگ طرز سے جذب کرتی رہتی ہیں۔جیسے غزل میں تہذیبی اور وجودی تاریخ،شہرِ آشوب میں سیاسی وسماجی تاریخ۔ناول میں عمرانی تاریخ اور مذہبی تخلیقات میں عقائد اور بدلتے اعتقادات کی تاریخ۔یوں یہ نقطہ ذہن میں آتا ہے کہ کسی بھی صنف کا تاریخیت کے تناظر میں وہی مطالعہ زیادہ بہتر انداز میں کیا جا سکتا ہے جس نوع کی وہ تاریخ جذب کرتی ہے۔یہ عمل تاریخیت کی تھیوری کو کئی اطلاقی مسائل سے رہائی دلا سکتا ہے۔

ادب کی ذیل میں بعض ایسی اصناف بھی آتی ہیں جو ماضی قریب،بعید اور لمحہ ءموجود تینوں زمانوں میں بڑھتی جا رہی ہیں؛لیکن اُن کا موضوعاتی پیمانہ ایک خاص دور اور موضوعات تک ہی محدود رہا ہے،جیسے نعت، منقبت، مرثیہ اور قصیدہ وغیرہ۔ایسی اصناف کا تاریخیت کے زاویے سے مطالعہ خاصا سُود مند ثابت ہوسکتا ہے۔ لیکن یہاں ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاریخیت کے حوالے سے اِن اصناف کا مطالعہ کرتے ہوئے کیا موضوع کا زمانی دائرہ کار دیکھا جائے گا؟ یا اُس کا ادب پارے میں ڈھلنے کا زمانہ ءتخلیق؟ کیوں کہ اب نعت میں بھی عصری آشوب،زمینی اور ثقافتی عقائد شامل ہو چکے ہیں۔مرثیہ ۶۱ ہجری کے سانحات کے علاوہ برصغیر بالخصوص لکھنؤ کی طرزِ معاشرت بھی پیش کرتا ہے۔قصیدہ بادشاہی دور کی پیداوار ہونے کے ساتھ مذہبی اور شخصی دائرہ بھی رکھتا ہے۔کیا ایسی حالت میں تاریخ کا عمل دوہرا سفر کرے گا؟ جو ماضی بعید اور قریب کے تاریخی دھاروں کو تسلسل سے دیکھنے کے علاوہ اِن کے افتراق و اشتراک پر بھی نظر رکھتا ہوگا؟

تاریخیت کے تنقیدی نقطہ نظر میں ایک خامی بہرحال یہ ہے کہ اِس سے ادب کا صرف تاریخی تناظر میں ہی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یوں جب فن پارے کو عصری زاویے سے جانچنے کا مرکزی تصور وضع کر لیا جاتا ہے تو تنقیدی عمل کے دوران صرف ادب اور تاریخ ہی سامنے رہتے ہیں۔جس سے فن پارے کی اپنی صنف کے ذریعے نمو پانے والی خصوصیات اور اِنفرادی جمالیاتی قدریں منہا ہو جاتی ہیں۔

اگر تاریخیت کسی فن پارے کی پرکھ اُس کے عہد میں کرنے کی دعوے دار ہے تو معاصر ادب کا مطالعہ کیسے ہوگا؟ یہ وہ نقطہ ہے جو ادب کے عام قاری کے ذہن میں تاریخیت کے متعلق ذرا سے غور وفکر کے بعد اُٹھ سکتا ہے۔ اِس کا جواب دینے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ معاصر ادب کیا ہے؟ سادہ الفاظ میں معاصر ادب سے وہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

فن پارہ مراد لیا جاتا ہے جو لمحۂ حال میں تحریر کیا گیا ہو۔ ایسے فن پارے کا تو تاریخیت کے تناظر میں بہت آسانی سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ معاصر ادب بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہر گزرتا لمحہ ماضی قریب کی ذیل میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ اِسی طرح ہر معاصر تخلیق لمحہ بہ لمحہ ماضی قریب کا حصہ بن جاتی ہے۔ بعنیہ جیسے آج کا قدیم کل کا جدید اور آج کا جدید کل کا قدیم ہوگا۔ ایسے فن پارے کی تفہیم کے لیے تاریخی منظر نامہ آنکھوں دیکھا ہونے کے ساتھ تجزیاتی بھی ہوگا۔ نیز اِن مطالعات کی مدد سے بعد میں آنے والے ناقدین تاریخیت کی تھیوری کا مزید بہتر محاکمہ کر سکیں گے۔

تاریخیت کے تنقیدی نقطۂ نظر میں ایک خامی بہر حال یہ ہے کہ اِس سے ادب کا صرف تاریخی تناظر میں ہی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یوں جب فن پارے کو عصری زاویے سے جانچنے کا مرکزی تصور وضع کر لیا جاتا ہے تو تنقیدی عمل کے دوران صرف ادب اور تاریخ ہی سامنے رہتے ہیں۔ جس سے فن پارے کی اپنی صنف کے ذریعے نمو پانے والی خصوصیات اور اِنفرادی جمالیاتی قدریں منہا ہو جاتی ہیں۔

اگر تاریخیت کسی فن پارے کی پرکھ اُس کے عہد میں کرنے کی دعوے دار ہے تو معاصر ادب کا مطالعہ کیسے ہوگا؟ یہ وہ نقطہ ہے جو ادب کے عام قاری کے ذہن میں تاریخیت کے متعلق ذرا سے غور و فکر کے بعد اُٹھ سکتا ہے۔ اِس کا جواب دینے سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ معاصر ادب کیا ہے؟ سادہ الفاظ میں معاصر ادب سے وہ فن پارہ مراد لیا جاتا ہے جو لمحۂ حال میں تحریر کیا گیا ہو۔ ایسے فن پارے کا تو تاریخیت کے تناظر میں بہت آسانی سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ معاصر ادب بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہر گزرتا لمحہ ماضی قریب کی ذیل میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ اِسی طرح ہر معاصر تخلیق لمحہ بہ لمحہ ماضی قریب کا حصہ بن جاتی ہے۔ بعینہٖ جیسے آج کا قدیم کل کا جدید اور آج کا جدید کل کا قدیم ہوگا۔ ایسے فن پارے کی تفہیم کے لیے تاریخی منظر نامہ آنکھوں دیکھا ہونے کے ساتھ تجزیاتی بھی ہوگا۔ نیز اِن مطالعات کی مدد سے بعد میں آنے والے ناقدین تاریخیت کی تھیوری کا مزید بہتر محاکمہ کر سکیں گے۔

بعض اوقات ایسے تخلیق پارے بھی نظر سے گزرتے ہیں؛ جن کا زمانۂ تخلیق تو ماضی قریب کا ہوتا ہے لیکن موضوعاتی سطح پر وہ صرف مستقبل کے متعلق پیش گوئی کرتے ہیں۔ تو کیا ایسے فن پاروں کو تاریخیت سے جانچا جا سکتا ہے؟ جی ہاں! کیوں کہ کسی صورت بھی مستقبل کے بارے میں اُس وقت تک کوئی لائحۂ عمل وضع نہیں کیا جا سکتا جب تک ماضی اور حال کا گہرا شعور نہ ہو۔ مستقبل پر لکھے گئے تمام ادب پاروں کی روح ماضی اور حال کی صورتِ حال سے عبارت ہوتی ہے۔ اُنھی کے پیشِ نظر مستقبل کے بارے میں کوئی اندیشہ قائم کیا جاتا ہے۔ نیز ایسی ہی باطنی فضا کو عمیق نظری سے نشان زد کرنے کے بعد اِن پر تاریخیت کی تھیوری منطبق کر کے احسن نتائج کشید کیے جا سکتے ہیں۔

کچھ ادبی فن پارے صرف تخلیق کار کے نجی کوائف پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایسے متن کی تنقید و تشریح تاریخیت

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے دھارے میں کیسے ہوگی؟ کیا تاریخ میں کسی قلم کار کے نجی کوائف بھی شامل ہو سکتے ہیں؟ یا تاریخیت اِس سے صرفِ نظر کر کے یہ سوانحی اور نفسیاتی تنقید کے لیے چھوڑ دیتی ہے؟ یا تاریخیت مصنف کی نجی صورتِ حال کو زمانی پرداخت کا شاخسانہ قرار دے کر اُسے عصری بہاؤ میں دیکھتی ہے۔ کیوں کہ شخصی کوائف اور سماجی تاریخ میں بہر حال جز اور کل کا بھی تعلق ہے۔ علاوہ ازیں انسان معاشرتی حیوان ہونے کے باعث مشترک اظہاراتی وسائل بھی رکھتا ہے؛ مزید فرد کی نجی شناخت بھی کافی حد تک اپنے دور کی حاوی فکر اور صورتِ حال کی دین ہوتی ہے۔ تبھی آپ بیتی میں بھی آپ بیتی نگار سے زیادہ اُس کے عہد کا غالب رجحان واضح طور پر موجود رہتا ہے۔

اِجتماعی طور پر تاریخیت کی تنقیدی تھیوری سے تب ہی ایک فن پارے کا مکمل تنقیدی محاکمہ کیا جا سکتا ہے۔ جب ہم یہ یکسر مان لیں کہ ادب تاریخ کے تابع ہونے کے ساتھ یک زمانی ہے۔ اِس میں آفاقیت نام کی کوئی شے نہیں ہوسکتی۔ یہ بعد میں آنے والے عہد کا ترجمان نہیں ہوسکتا۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ اِس کی وہ قدر و قیمت نہیں رہتی جو اُسے اپنے عہد میں حاصل تھی۔ متن کی زبان کے وہی مفاہیم ہیں جو اُس عہد میں سمجھے اور لغت میں لکھے جاتے تھے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے اور ادب میں تاریخی حقیقت کا معیار بھی وہ نہیں ہوتا جو عمومی تاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ادب میں برتے گئے حقائق عام تاریخ کے برعکس توانا بھی ہوتے ہیں اور مبہم بھی۔ نیز ادب میں تاریخی دھارے کے علاوہ فینٹسی، تخیّل کی کارفرمائی اور معنی کی موافق اور ایسی متضاد پرتیں بھی ہوتی ہیں جن میں سے ایک کو حتمی معنی قرار دے کر عصری بیانیے کے تابع کر دینا بھی روحِ ادب کے منافی ہے۔ پروفیسر عتیق اللہ نے تاریخیت کے اجتماعی نقائص پر یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

> تاہم کوئی بھی تاریخی مطالعہ ادب کے ہمہ جہت مطالعے کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ تاریخیت، ادبی معنی اور قدر کے تئیں کوئی قطعی پیمانہ مہیا کرنے سے قاصر ہے۔ اِس سے تنقید کے اِنتہائی حسّاس عمل تخیل کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ اِس قسم کی تنقید اکثر کم علم اور کم صلاحیت والے نقادوں کے ہاتھوں میں تشہیر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اُن کے یہاں تاریخ علم بنتا ہے نہ فلسفہ اور نہ تجربہ، نتیجتاً اُن کی تنقید یا تو محض نفسِ موضوع کی غیر دلچسپ اور غیر تخیلی باز آفرینی کی سطح تک آ کے رک جاتی ہے یا جس تاریخ کا علم فراہم کرتی ہے وہ نقل در نقل کردہ غیر مستند، غیر تحقیقی اور جذباتی تاریخوں سے ماخوذ ہوتا ہے۔ (۸)

تاہم اِس حقیقت کا بھی کسی حد تک اعتراف ضروری ہے کہ تاریخی عمل سے ادب کی تفہیم میں خاصی معاونت

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

حاصل ہوسکتی ہے۔ بے شک یہ زاویہ ادب کی کُلی نہیں بلکہ جزوی تعبیر ہے۔سوفن پارے کی موضوعاتی مناسبت کو دیکھتے ہوئے وقتِ ضرورت تاریخیت کے ذریعے ادب کی معنوی تہوں کو کرید کر اُس کے حقیقی ماحول تک سہولت سے پہنچا جا سکتا ہے۔

نئی تاریخیت ادب اور تاریخ کے غیر راست تعلق کی ترجمان ہے لیکن تاریخیت میں تاریخ کا غالب تناظر مارکسی ناقدین کے باعث زیادہ تر معاشی رہا ہے جبکہ نوتاریخیت تک آتے ہوئے یہ متعدد وجوہات کی بنا پر ثقافتی ہوگیا۔نوتاریخیت میں تاریخیت کی طرح تاریخ کا نہ اکہرا رخ ملتا ہے اور نہ ہی یہ فن پارے کی تاریخی تناظر میں تفہیم کرتے ہوئے کوئی منطقی رشتہ تلاش کرتی ہے۔مذکورہ تبدیلیوں کی مرکزی وجہ نوتاریخیت کا مابعد جدیدیت کے زیرِ سایہ پروان چڑھنا ہے؛ جسے منطقی طور پر جانچنے کے لیے مابعد جدیدیت کی آمد اور اہم محرکات کو ترتیب کے ساتھ سمجھنا ضروری ہے وگرنہ نوتاریخیت کی درست تفہیم کھل کر سامنے نہ آسکے گی۔

جدیدیت نے ایک ایسا کُلی نظامِ فکر ترویج دیا تھا جو تھا تو ایک خطۂ زمین کی دین لیکن اُسے آفاقی جان کر تمام روئے زمین کے لیے ہمدرد گردانا گیا۔نوآبادیاتی دور میں نوآبادکار نے اِسی فکری ڈھانچے کو زیرِ تسلط علاقوں میں رائج کر کے نہ صرف اِسے مرکزی بیانیے تک محدود کیا بلکہ اِن خطوں کی ثقافت کو بھی نظر انداز کر دیا جس سے چمک دار جدیدیت کے کئی منفی پہلو سامنے آئے؛ جنھیں مابعد جدیدیت نے نشان زد کرنے کے ساتھ تعقلاتی جواز فراہم کیے۔کئی زمینی خطوں کی فراموش شدہ ثقافتی شناخت کو بحال کیا۔ادبی اور غیر ادبی دونوں سطحوں پر برتر اور کم تر کا فرق ختم کیا۔ایک مرکزی تھیوری کو اتھارٹی سے موسوم قرار دینے کے علاوہ ردِعمل کے طور پر کئی متنوع بیانیوں پر توجہ دی گئی۔یوں بیانیوں کی بہتات سے حقیقت یک رخی پہچان سے ہٹ کر موضوعی، پیچیدہ اور بے ربط ہوتی گئی۔یہ تمام پس منظر مابعد جدیدت اور اِس کے مظہر نوتاریخیت کے مرکز گریز ہونے کے ساتھ نئی تاریخیت میں ثقافتی رجحان کی وجہ سے بھی آگاہ کرتا ہے۔

نئی تاریخیت نے تاریخ کو حتمی ماحول سے نکال کر اِسے کولاژ پینٹنگ کی طرح متنوع اشکال میں دیکھا؛ جس سے لامحالہ طور پر تاریخ میں عدم تسلسل اور الجھاؤ پیدا ہوگیا اور تاریخ متعدد مواد کا بے ترتیب ملغوبہ نظر آنے لگی۔تاریخ کی ایک ایسی ہی غیر منظم صورتِ حال مشل فوکو کے تصورِ تاریخ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔نوتاریخیت اور مشل فوکو کے تاریخی تصورات میں یگانگت مابعد جدید دور کے شعور سے پھوٹتی ہے۔فوکو کے نزدیک ہر طرح کی اِنسانی فکر ایک خاص ثقافت کا عطیہ ہے۔ثقافت وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے تبھی افراد کے افکار بھی ہمیشہ ایک نقطے پر مرکوز نہیں رہتے۔یعنی ثقافتی مطالعہ انسانی فکر کے ارتقا کا بھی محاکمہ ہے۔فوکو ثقافتی تنوع اور متعدد تناظرات

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے باعث لامرکزیت اور موضوعیت کی رو میں فکری سفر جاری رکھتا ہے۔یہی ردِعمل اُس کے ڈسکورس کی غیر عمومی لفظیات میں بھی سرایت کیے ہوئے ہے۔اُس کے نزدیک ہر عہد کی ایک Epistme یعنی حاوی فکر ہوتی ہے جس کے ماتحت تمام اداروں کے کردار اور طریقہ ہائے کار متعین کیے جاتے ہیں۔مزید برآں یہی حاوی فکر طاقت اور خواہشات کی تکمیلیت کے لیے آلہ کار کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔[۹] فوکو کے اِن تصورات سے تاریخ اپنے بنیادی جوہر سے تہی نظر آنے لگی۔بلکہ مرکزی زاویے کی حامل تواریخ کو آرتھوڈاکس سے مماثل قرار دے دیا گیا۔اُس نے تاریخ کو ثقافتی اور زمانی پس منظر میں جانچنے پر توجہ دلائی اور اِسے آرکیا لوجیکل عمل سے موسوم کیا۔جس سے متعدد پس منظر اُبھرے اور تاریخ میں جابجا عدم تسلسل اور ابہام سامنے آئے۔فوکو کے تاریخی تصورات میں جو خامیاں نظر آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ فوکو مابعد جدیدیت کی طرح لامرکزیت کا قائل تو ہے جبکہ یہ دونوں رویے ثقافت کو مرکز بناتے ہیں تو کیا ثقافت کوئی مرکز نہیں؟ بے شک اِسے دیکھنے کے کئی تناظر ہیں۔اُس کے نزدیک کسی عہد کی تاریخ کو صرف طاقت کے حاوی رویے کے بدلتے ہی فراموش کر دیا جاتا ہے۔جبکہ یہ تاریخی تبدیلی صداقت اور عصری مناسبت سے بھی غذا حاصل کرتی ہے۔فوکو نے تاریخی دھارے کا ایک عہد سے دوسرے عہد میں منقلب ہونا بھی کوئی منطقی انداز میں بیان نہیں کیا صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ ایک عہد کی Epistme کو اچانک نئی Epistme رد کر کے ایک نیا عہد تشکیل دے دیتی ہے لیکن کیسے؟ اِس حوالے سے مثل فوکو نے کوئی جواب نہیں دیا۔تاہم مابعد جدید صورتِ حال اور فوکو کے تاریخی افکار سے تقویت پا کر نوتاریخیت نے بھی تاریخ کو بے ترتیب، مبہم اور علامتی متن قرار دے دیا۔نوتاریخیت کسی صورت یہ بے ترتیب متن ترتیب دینے اور تاریخی خلا کو پُر کرنے کی دعویٰ دار نہیں۔کیوں کہ یہی خلا اُسے تاریخ کے متعدد اور کثیر الجہات رویوں کو کھوجنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔تاریخیت ادب پر تاریخ کو برتر قرار دے کر اِس کی روشنی میں ادبی متن کا جائزہ لیتی ہے جبکہ نو تاریخیت ادب اور تاریخ دونوں کو متن مان کر اِن کے باطنی تعلق کا محاکمہ کرتی ہے؛اِس دوران ادب اور تاریخ برابری کے درجے پر ہم آمیز ہوتے ہیں ایک کو دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوتی۔نوتاریخیت کا ایک طریقہ کار یہ بھی ہے کہ وہ کسی عہد کے تمام متون کو سامنے رکھ کر اُن کی پیچیدہ معنوی تہوں کو کریدتی ہے۔یہاں نوتاریخیت میں ایک یہ نقص پیدا ہو جاتا ہے کہ ادبی اور تاریخی متون کی ہم آہنگی سے جو نتائج سامنے آتے ہیں یہ فقط اُن کو ادب کی تعینِ قدر کا ذریعہ سمجھ لیتی ہے جس سے کئی ثانوی قدریں فراموش ہو جاتی ہیں۔[۱۰]

نوتاریخیت کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ نئی تنقید اور ساختیات کے غیر تاریخی نظریات کا ردِعمل ہے؛لیکن یہ رائے نئی تنقید کے حوالے سے تو درست مانی جا سکتی ہے ساختیات کے حوالے سے نہیں۔کیوں کہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ساختیات میں کلچر شامل ہے جو تاریخ کا ایک طاقت ور عنصر ہے۔ نیز سوسیئر کا دو زمانی مطالعہ بھی تاریخی مواد کے بغیر کوئی معنیاتی ترسیل مکمل نہیں کر پاتا۔ جس میں کسی زبان کی قواعدی تبدیلیوں کو زمانی لحاظ سے دیکھا جاتا ہے۔

نوتاریخیت کے (برطانوی مکتبۂ فکر) دو اہم نقاد ریمنڈ ولیمز اور کیتھرین بیلسی نے نوتاریخیت کی تفہیم و تعبیر مارکسی اور سیاسی تناظر میں کی ہے۔ ریمنڈ ولیمز نے روائتی مارکسیت کے بجائے خالص نو مارکسی زاویے سے انسانی ثقافت کو یک رخے سانچوں میں ڈھال کر دیکھا۔ اُس کے نزدیک انسانی ثقافت حاوی، باقیاتی اور نوخیز عناصر سے معمور ہوتی ہے۔ حاوی سے مراد کلچر کا وہ چہرہ ہے جسے طاقت ور گروہ ترتیب دیتا ہے۔ باقیاتی کلچر اُن اعمال سے عبارت ہے جو ماضی سے سفر کرتے ہوئے حال میں بھی متحرک نظر آتے ہیں۔ جبکہ نوخیز کلچر اُن نئے مفاہیم اور اقدار کا ترجمان ہے جو ہر آئے دن متعارف ہوتے رہتے ہیں۔ حاوی کلچر اپنے آمرانہ دائرہ کار کی وجہ سے دوسروں پر دھاک بٹھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ یا ایک سے زیادہ حاوی کلچر باہمی چپقلش سے ختم ہوتے اور ایک دوسرے کی جگہ لیتے رہتے ہیں۔ باقیاتی کلچر اپنے فطری بہاؤ اور اندرونی طاقت سے قدم جمائے رکھتا ہے۔ یہ حاوی کلچر کے مدِ مقابل رہتا اور اُسے اپنانے سے گریز کا اعلان کرتا ہے۔ تبھی حاوی کلچر، باقیاتی کلچر کو اپنے زیرِ تسلط لانے کے لیے مختلف منصوبہ جات بناتا رہتا ہے جس کی وجہ عوام کے کئی گروہوں کا باقیاتی کلچر سے وابستہ ہونا ہے۔ اجتماعی صداقت کے باعث باقیاتی کلچر کو ہی ادبی مطالعہ میں زیرِ استعمال لایا جانا چاہیے نیز باقیاتی اور قدیمی کلچر کے مخدوش عناصر میں مشابہات بھی دیکھنی چاہییں۔ مزید باقیاتی کلچر کے اُن خدوخال کی بھی جانچ پڑتال ضروری ہے جنھیں حاوی کلچر نے دبانے کی منافقانہ کوشش کی ہے۔ نوخیز کلچر میں سے اُن عناصر کو بھی الگ، الگ کرنے کی ضرورت ہے جو حاوی کلچر کے بہروپیے یا سماجی تسلسل کے دلدادہ ہیں۔ ریمنڈ ولیمز کی یہ ثقافتی تھیوری کافی حد تک کلچرل معیارات پر پورا اُترتی ہے لیکن اسے کلچر کی سائنسی تھیوری نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ کلچر ہر فرد کے باطنی تجربات اور تخلیقی اظہارات کا آئینہ دار ہوتا ہے جو موضوعی ہیں۔ تاہم اِس تھیوری سے ادب کا نیا زاویہ نگاہ ضرور سامنے آتا ہے۔ ریمنڈ ولیمز کے کلچرل تصورات کو ادب پر لاگو کر کے نئے اور انوکھے نتائج برآمد کیے جا سکتے ہیں۔[11] کیتھرین بیلسی کے نزدیک ادب، تاریخ بالخصوص سیاست سے کسی طور بھی جدا نہیں ہو سکتا۔ اُس کے خیال میں سیاسی ادارے ایک خاص طرح کے فکری بیانیے رائج کرتے ہیں جس سے الفاظ کے سیاسی سطح پر ہر دور میں الگ معنی وضع ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی دور کا ادب، سیاسی تناظر سے محروم ہو کے درست مطالعے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہاں کیتھرین مثل فوکو کے ڈسکورس اور طاقتی تصور سے بے حد متاثر نظر آتی ہے۔ اُس کے نزدیک ادب کا مطالعہ معروضی نہیں اِس کے پس پردہ کئی طاقتی مقاصد مضمر ہیں۔ جن تک پہنچنا اشد ضروری ہے۔ کیتھرین بھی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تاریخی متن کی طرح ادبی متن کو بے ربط سمجھتی ہے۔کیتھرین بیلسی کے اِس تصور سے ادب کا مطالعہ کوئی جمالیاتی نہیں صرف تاریخی و سیاسی مطالعہ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔مابعد جدید تناظر میں تاریخ کے ساتھ ادب کے بے مرکز ہونے کی وجہ اُس پر بیک وقت سوانحی تناظر کے برعکس کئی طرح کے تناظرات کا لاگو کر دینا ہے۔جبکہ متن اپنی ذات میں امکانی، تخیلی مفاہیم بھی رکھتا ہے۔اِس لیے ادب کے ذاتی اور تناظراتی معنوں کی بہتات میں حدِ فاصل قائم کرنا تفہیمِ ادب کے لیے ایک لازمی امر ٹھہرتا ہے۔(۱۲)

تاریخیت اور نوتاریخیت کے مندرجات کی حدود اور طریقہ کار کے بعد اِن دونوں میں جو فرق نظر آتا ہے؛وہ یہ ہے کہ تاریخیت ادب کی تفہیم کے لیے اِسے تاریخ کے زیرِ سایہ رکھتی ہے؛اِس کے برعکس نوتاریخیت ادب اور تاریخ کو مساوی بنیادوں پر ساتھ لے کر چلتی ہے۔تاریخیت صرف اجتماعی، مرکزی تاریخ سے سروکار رکھتی ہے جبکہ نوتاریخیت کلچر، سیاست کے علاوہ تاریخ کی تمام مبہم تہوں میں سلسلہ در سلسلہ اُترتی ہے۔تاریخیت ایک واحد تھیوری کی اتھارٹی کو مانتی ہے اور نوتاریخیت واحد بیانیے کی مخالفت کرنے کے ساتھ کئی تناظرات اور بیانیوں سے ادب کو دیکھنے کی داعی ہے۔تاریخیت مارکس اور نوتاریخیت فوکو، دریدا کے فکری اشارات کے زیرِ اثر چلتی ہے۔نیز تاریخیت اور نوتاریخیت دونوں تاریخ کے بجائے بیانِ تاریخ کو ملحوظِ خاطر رکھ کر تحریر کی ساخت میں مضمر بیانیے تک پہنچتی ہیں۔کیوں کہ اندازِ تحریر میں حقیقت کے علاوہ نظریے اور ذاتی پسند، ناپسند کی کوئی نہ کوئی رمق ضرور موجود رہتی ہے۔ڈاکٹر قاضی عابد لکھتے ہیں:

> تاریخیت اور نوتاریخیت کے مباحث واقعے سے اِس قدر تعلق نہیں رکھتے جس قدر وہ واقعے کے بیان اور اِس سے کہیں زیادہ واقعے کی تعبیر، تجزیے اور اُس آئیڈیالوجی پر دھیان دیتے ہیں جس پر واقعہ کی تشکیل کی گئی تھی گویا واقعہ جنم نہیں لیتا اِس کی تشکیل کسی مورخ کے ہاتھوں ہوتی ہے۔اور اِس تشکیل کے پیچھے جو آئیڈیالوجی کام کر رہی ہوتی ہے تعبیر و تجزیہ اِسے زیرِ بحث لاتا ہے اور اِس کی تشکیل کا انہدام کر کے ہی اِس کے پس منظر میں موجود طاقت کے کھیل کو بے نقاب کر کے ہی اِس بیانیے کو سمجھا یا جا سکتا ہے۔(۱۳)

علاوہ ازیں تاریخیت مرکز جُو، نوتاریخیت مرکز گریز، تاریخیت ربط و تسلسل، علت و معلول، حقیقت کے واحد تصور کی امین نوتاریخیت اِس کے متضاد حقیقت کے کئی چہروں، خلاؤں اور الجھاؤ کی کتھا ہے۔یہ سب افتراق دائرہ کار کے لحاظ سے ہیں لیکن مرکزی سطح پر نوتاریخیت، تاریخیت کا ردِعمل نہیں بلکہ نقشِ ثانی ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اگرچہ نوتاریخیت نے ادب کو تاریخ کے تسلط سے آزاد کروا کے اپنے اولین ترین ماخذ ثقافت سے قریب کیا اور اِس ثقافت کے بھی عوامی اور حکومتی پیرائے الگ الگ کر کے دکھائے؛ لیکن اِس کا ادب اور عام متن میں کوئی فرق روا نہ رکھنا قابلِ اعتراض ہے۔ نوتاریخیت کے نزدیک ادبی اور تاریخی متون اِس وجہ سے ہم مرتبہ ہیں کہ دونوں کے بیانات میں کسی نہ کسی حد تک سماج اور طاقت کا غالب عنصر شامل ہوتا ہے۔[۱۴] کیا ادب میں بیان کردہ یہ مظہر عام تاریخ کا ہم ساز ہے یا مخالف؟ نوتاریخیت اِس کے متعلق کیا کہتی ہے؟ کیوں کہ عموماً ادب عام آمرانہ تاریخ کے خلاف آواز اٹھاتا رہتا ہے۔ اگر نوتاریخیت ادب کی اِس خصوصیت کو نظر انداز کر کے اِسے عام تاریخ کے مساوی قرار دیتی ہے تو یہ تصور کسی صورت قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ ادب میں بھی جزوی طور پر عام تاریخ کا اثر مل جاتا ہے مگر یہ مکمل عمومی تاریخ سا کبھی نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں نوتاریخیت کے اطلاقی مسائل بھی ہیں۔ جب نوتاریخیت ایک سے زائد بیانیوں کی طرف دار ہے تو اِس سے فن پارے کی حتمی قدر و قیمت کیسے متعین ہوگی؟ ہمیں کوئی نہ کوئی معیار تو بنانا ہی پڑے گا۔ جو کہ تھوڑا بہت نوتاریخیت نے ادبی فن پاروں کی تعینِ قدر کے لیے بنایا بھی ہے۔ نوتاریخیت کا یہ تصور بھی مبنی بر حقیقت نہیں کہ حاوی فکر کے تحت ایک دور دوسرے عہد سے مکمل مختلف ہوتا ہے۔ ایک حاوی فکر دوسری حاوی فکر کے مخالف ہوتی ہے اور وہ واضح طور پر اِس ردِعمل کو ظاہر بھی کرتی ہے جس سے کسی نہ کسی سطح پر اخراج و انجذاب اور موافقت و مخالفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یوں تاریخ میں جا بجا خلا پیدا کرنے اور فن پارے کی بے مرکزیت اُبھارنے سے تو کسی قابلِ گرفت نقطے تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ کوئی بھی صحت مند متن فنی لحاظ سے بے مرکز نہیں ہوتا تاہم اُسے نوتاریخیت کی تھیوری اور داخلی معنیاتی تنوع سے بے مرکز سمجھا جانے لگتا ہے؛ یہ سب متن کی امکاناتی کائنات اور متعدد بیانیوں کے انطباق کی وجہ سے ہے۔ وگرنہ انھیں الگ کر کے دیکھا جائے تو فن پارے کی لامرکزیت آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے۔ مجموعی طور پر نوتاریخیت کا ثقافت کی ادبی اور حقیقی اہمیت کا اِعتراف کرنا اور مقتدر، رسمی طریقہ ہائے کار سے انحراف کرنا اِسے بطور تنقیدی رویے کے خاصی مقبولیت بخشتا ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر مبارک علی، ''تاریخ اور سیاست''، (لاہور: تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص ۲۴، بارِ نہم

۲۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، ''مابعد نوآبادیات اُردو کے تناظر میں''، (کراچی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۳ء)، ص ۲

۳۔ ایضاً، ''جدید اور مابعد جدید تنقید''، (کراچی: انجمن ترقیٔ اردو پاکستان، ۲۰۰۴ء)، ص ۲۴۹

۴۔ ایضاً، ص ۴۷

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۵۔ ایضاً،ص ۱۵۸
۶۔ ڈاکٹر محمد اشرف کمال، ''تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات''، (فیصل آباد: مثال پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)،ص ۱۳۲
۷۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ''جدیدیت کے بعد''، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء)،ص ۱۲۰
۸۔ پروفیسر عتیق اللہ، ''تاریخیت و نوتاریخیت''، مشمولہ ''ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت''، مرتبہ ڈاکٹر ندیم احمد، (نئی دہلی: جامعہ نگر، ۲۰۰۲ء)،ص ۴۵۷
۹۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، ''جدید اور مابعد جدید تنقید''،ص ۲۲۷
۱۰۔ ایضاً،ص ۱۶۰
۱۱۔ ایضاً،ص ۱۶۲
۱۲۔ ایضاً،ص ۱۶۷
۱۳۔ پروفیسر ڈاکٹر قاضی عابد، ''قصصِ ہند: تاریخیت اور نوتاریخیت''، مشمولہ ''تحقیق نامہ''، شمارہ نمبر ۱۷، (لاہور: شعبہ اُردو، جی سی یونی ورسٹی، ۲۰۱۵ء)،ص ۲۱
۱۴۔ وہاب اشرفی، ''مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات''، (اسلام آباد: پورب اکیڈمی، ۲۰۰۷ء)،ص ۱۲۳

مآخذ

۱۔ اشرفی، وہاب، ''مابعد جدیدیت: مضمرات و ممکنات''، اسلام آباد: پورب اکیڈمی ۲۰۰۷ء
۲۔ عتیق اللہ، پروفیسر، ''تاریخیت و نوتاریخیت''، مشمولہ ''ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت''، مرتبہ ڈاکٹر ندیم احمد، نئی دہلی: جامعہ نگر، ۲۰۰۲ء
۳۔ علی، مبارک، ڈاکٹر، ''تاریخ اور سیاست''، لاہور: تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، بارِ نہم
۴۔ کمال، محمد اشرف، ڈاکٹر، ''تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات''، فیصل آباد: مثال پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء
۵۔ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر، ''جدیدیت کے بعد''، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء
۶۔ نیّر، ناصر عباس، ڈاکٹر، ''مابعد نوآبادیات اُردو کے تناظر میں''، کراچی: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۳ء
۷۔ _____، ''جدید اور مابعد جدید تنقید''، کراچی: مجلسِ ترقی ادب، ۲۰۰۴ء

جرائد

۱۔ ''تحقیق نامہ''، شمارہ نمبر ۱۷، لاہور: شعبۂ اُردو، جی سی یونی ورسٹی، ۲۰۱۵ء